معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل

محمد خالد سیف

دینِ اسلام چونکہ ساری انسانیت کے لیے اللہ ربّ ذوالجلال کا آخری پیغام ہے اس لیے ہر اعتبار اور ہر جہت سے اللہ تعالیٰ نے اسے شرفِ کمال سے نوازا ہے؛ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [1]

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔

یہ اسلام کی کاملیت ہی کا نتیجہ ہے کہ یہ انسانی زندگی سے متعلق ہر ہر معاملہ میں خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، سیاسیات سے ہو یا اخلاقیات سے، ہمیں مکمل راہنمائی عطا فرماتا ہے۔

معاشیات اس دور کا سب سے اہم مسئلہ ہے یا شاید ہر دور ہی میں یہ مسئلہ سب سے اہم رہا ہے لہٰذا آج کی صحبت میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ معاشیات کے مسئلہ میں اسلام ہماری کیا راہنمائی کرتا ہے، بالخصوص معاشی ناہمواریوں کے سلسلہ میں اسلام کیا حل پیش کرتا ہے؟

اسلامی نظامِ معاشیات کی تین بنیادیں

اسلام کا اقتصادی و معاشی نظام تین اہم بنیادوں پر استوار ہے، یہ تین بنیادیں آپس میں اس طرح

---

[1] المائدہ: ۳

مربوط ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ تینوں مل کر ہی عدل اجتماعی اور ایک جامع اور متوازن معاشی و اقتصادی نظام کا ایک حسین و جمیل خاکہ ترتیب دیتی ہیں، ان تین بنیادوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

اسلام کے معاشی نظام کی پہلی بنیاد اسلام کے معاشی نظام کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ یہ ذاتی و شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، اس کی حفاظت کا اہتمام کرتا ہے اور انسانی ہاتھوں کی محنت و کوشش کے صلہ میں حاصل ہونے والے فوائد، نتائج اور ثمرات کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہے۔

دوسری بنیاد اسلام نے ذاتی و شخصی حقِ ملکیت کو جہاں تسلیم کیا ہے، وہاں اس نے کچھ حدود و قیود بھی عائد کئے ہیں اور اصحابِ ثروت پر کچھ فرائض بھی تاکہ معاشرہ میں عدلِ اجتماعی کی بہار ہو، اقتصادیات میں توازن ہو، معاشرے میں طبقاتی کشمکش اور فرق کم سے کم ہو، دولت صرف چند ہاتھوں ہی میں محدود ہو کر نہ رہ جائے بلکہ معاشرے کے تمام طبقات اور تمام افراد کو ایسے مواقع اور ایسے حالات مہیا کئے جائیں کہ وہ امن، چین اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

اسلام نے ذاتی و انفرادی ملکیت کے سلسلہ میں جو حقِ دوام بخشا ہے اور اس میں تصرف کی جو آزادی عطا کی ہے تاکہ خود انحصاری اور کفالت کی منزل کو پا لیا جائے، یہ سارے امور بھی اسی بنیاد میں شامل ہیں نیز وہ سب فرائض اور واجبات بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں معاشرے اور حکومت اور ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اصحابِ ثروت پر عائد کیا گیا ہے مثلاً زکوٰۃ، ٹیکس، صدقات اور کفارات وغیرہ۔

تیسری بنیاد تیسری بنیاد وہ ہے جس پر اسلام لوگوں کے آپس کے اقتصادی تعلقات کو استوار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ دیگر معاشی نظاموں کی طرح لوگوں کے باہمی تعلقات کو محض مادی بنیادوں پر استوار نہیں کرتا بلکہ انہیں انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر مستحکم کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے میں باہمی تکافل، تعاون، اخوت و محبت، شفقت اور رحم دلی، نیکی و تقویٰ، عدل و احسان اور احترامِ انسانیت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور ایسے معاشرے کا ہر فرد دوسرے کے لیے بھی وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا جسے وہ خود اپنے لیے پسند نہیں کرتا اور جس معاشرے، جس طبقے اور جس

ملک کے باشندوں میں یہ بلند پایہ اخلاقی قدر پیدا ہو جائے، اس کے کسی معاشی ناہمواری میں مبتلا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نے اجتماعی تکافل و تضامن کے لیے جو نظام پیش کیا ہے، کمائی کے ناروا طریقوں کو جو جرم قرار دیا ہے، فقراء، مساکین اور دیگر مفلوک الحال لوگوں پر صدقہ و خیرات کی جو ترغیب دی ہے اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرنے کو جو مستحسن قرار دیا ہے تو یہ اور اس طرح کے دیگر تمام امور بھی اسی بنیادی اصول میں شامل ہیں۔

مزید وضاحت کے لیے اسلامی نظام معاشیات کی ان تین باتوں یا تین بنیادوں کی ہم قدرے مزید تفصیل پیش کرنا چاہیں گے تاکہ فکر و نظر کے سامنے تمام گوشے واضح ہو جائیں کہ معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ کے لیے اسلام نے کیا حل پیش کیا ہے!

ذاتی و شخصی ملکیت

جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے اسلام نے ذاتی و شخصی ملکیت کو تسلیم کیا ہے اور وہ معاشرے کے ہر ہر فرد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی طاقت، توانائی اور استعداد کے مطابق محنت کر کے مال کمائے، اسلام کی منشا یہ ہے کہ ہر محنت کرنے والے کو دنیوی زندگی میں بھی اس کی محنت کا پھل ضرور ملے، اسلام نہ صرف ذاتی و انفرادی حق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے اور حصولِ مال و دولت کے راستوں کی نشاندہی کرتا ہے بلکہ وہ لوگوں کے ذاتی و نجی اموال کی حفاظت کا بھی پورا پورا اہتمام کرتا ہے اور جو شخص کسی کے ذاتی مال پر دست درازی کرے تو اسلام اسے سخت سے سخت سزا دیتا ہے مثلاً اگر کوئی کسی کے مال کو چوری کرے تو اسلام چور کے لیے ہاتھ کاٹ دینے کی سزا تجویز کرتا ہے؛ اللہ رب ذوالجلال کا ارشادِ گرامی ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ [1]

اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے فعلوں کی سزا اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

---

[1] المائدہ : ۳۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی حد کے نفاذ کے سلسلہ میں اس قدر شدت کا مظاہرہ نہیں فرمایا جس قدر حدِ سرقہ کے سلسلہ میں شدت کا مظاہرہ فرمایا تھا؛ چنانچہ ایک بار حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تاکہ فاطمہ بنت اسد مخزومیہ کی سفارش کریں کیونکہ اس نے چادر اور زیور کی چوری کی تھی جس کی وجہ سے اس پر حدِ سرقہ واجب ہو گئی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت کے باوجود ان کی سفارش کو مسترد فرما دیا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ؟

کیا تم حدود الٰہی میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟

پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ إِذَا سَرَقَ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا[1]

تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا تھا کہ جب ان میں کوئی طاقتور چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے تھے اللہ کی قسم! اگر میری لختِ جگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔

یہ سزا ہے سرقۂ صغریٰ کی باقی رہا وہ سرقہ جسے فقہاء کرام اپنی اصطلاح میں سرقۂ کبریٰ سے موسوم کرتے ہیں یعنی قطع طریق، حرابہ، ڈکیتی اور رہزنی تو اس سزا عام سرقہ کی نسبت بہت زیادہ ہے چنانچہ ڈاکوؤں اور راہزنوں کی اسلامی شریعت میں سزا قتل یا پھانسی یا دونوں سزائیں ہیں، اس صورت میں جب ڈاکوؤں اور راہزنوں نے مال کو بھی چھینا ہو اور لوگوں کو قتل بھی کیا ہو اور اگر انہوں نے مال کو تو نہ چھینا ہو صرف لوگوں کو قتل کیا ہو تو انہیں بھی صرف سزائے موت ہی دی جائے گی اور اگر انہوں نے صرف مال و دولت ہی کو چھینا ہو تو پھر ان کے ہاتھ پاؤں اس طرح کاٹ دیے جائیں گے کہ ان میں سے ہر ایک

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الحدود ج ۲ ص ۱۰۰۳ طبع کراچی

کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور اگر کسی واردات سے قبل انہیں گرفتار کر لیا جائے یعنی ابھی تک انہوں نے نہ کسی کو قتل کیا ہو اور نہ کسی کا مال چھینا ہو تو پھر ان کی سزا قید ہے، معاشرے کے امن، چین اور سکون کو تباہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عذاب عظیم کی جو وعید سنائی ہے، وہ اس پر مستزاد ہے؛ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ [1]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، انکی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا صلیب دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے قطع کر دیے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

جو شخص کسی کی زمین پر غاصبانہ قبضہ و تسلط جما لیتا ہے تو ایسا شخص اسلام کی نظر میں ملعون اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یہ ہے:

مَنْ غَصَبَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ طَوَّقَهُ اللَّهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ [2]

جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین پر غاصبانہ قبضہ جمائے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔

نیز فرمایا:

مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لَقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ

---

[1] المائدہ: ۳۳

[2] (ا) بخاری: ۱: ۳۳۲ طبع کراچی

(ب) مشکوٰۃ: ص ۲۵۴ طبع کراچی

عَلَيْهِ غَضْبَانُ [1]

جو شخص کسی مسلمان کا ناحق مال چھین لے تو وہ اللہ عزوجل سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بے حد غضب ناک ہوگا۔

اسلامی شریعت نے غاصب پر اس بات کو فرض قرار دیا ہے کہ وہ مغصوب چیز کو اس کے اصل مالک کو واپس لوٹائے اور اگر اس نے اسے تلف کر دیا ہو تو پھر اس کی قیمت ادا کرے، اگر مغصوب چیز زمین ہو اور غاصب نے اس میں کوئی کاشت شروع کر دی ہو یا اس میں کوئی عمارت بنالی ہو تو اس کی کاشت کاری کو ختم کر دیا جائے گا، عمارت ہے تو اسے پیوند خاک کر دیا جائے گا اور مالک کو اس کی زمین اسی طرح واپس کی جائے گی جس طرح اس سے چھینی گئی تھی اور غاصب کو بہر حال تعزیری سزا بھی دی جائیگی [2]

اپنی ذاتی ملکیت کی حفاظت کے لیے اسلام نے مالک کو اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر اس پر کوئی دست درازی کرے تو وہ پوری قوت و طاقت کے ساتھ اور تمام اسباب و وسائل کو بروئے کار لاکر اپنا اور اپنے مال و دولت کا دفاع بھی کر سکتا ہے حتیٰ کہ اگر وہ ڈاکو، راہزن یا غاصب کو قتل کرنے پر مجبور ہو جائے تو اس حالت میں اس پر قصاص بھی نہیں ہے اور اگر وہ خود قتل ہو جائے تو یہ شہادت کی موت ہوگی؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ [3]

جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے، وہ شہید ہے۔

کسی کے مال پر دست درازی کرنا، اسے چوری کر لینا یا زبردستی چھین لینا تو بڑی دور کی بات ہے، اسلام کی پاکیزہ اور مقدس تعلیمات تو یہ ہیں کہ کسی دوسرے کے مال و دولت کی طرف ترچھی آنکھوں اور لالچی نگاہوں سے بھی نہ دیکھو، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ

---

[1] مسند احمد: ۱: ۲۸۹، ۲۱۶/۴ (ب) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۷۸ طبع بیروت

[2] المیدانی، باب فی الغصب ص ۱۸۷، بدائع ج ۷ ص ۱۴۲

[3] صحیح البخاری: ۱: ۳۳۷ طبع کراچی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ [1]

اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی (زندگی میں) آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے تاکہ ان آزمائش کریں، ان پر نگاہ نہ کرنا۔

آہ! وطن عزیز میں کچھ عرصہ سے چوروں، راہزنوں، قاتلوں اور ڈاکوؤں نے چوری، ڈکیتی، راہزنی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے اور لوگوں کے امن، چین اور سکون کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور تمام تر اسباب و وسائل کو بروئے کار لانے کے باجود امن عامہ کے مسئلہ کے حل کرنے میں حکومت کو کامیابی نصیب نہیں ہو رہی تو اس موقعہ پر ہم اپنے اصحابِ اقتدار کے بابِ عالی پر دستک دیتے ہوئے یہ عرض کریں گے کہ اس مسئلہ کا صرف اور صرف ایک ہی حل ہے کہ حکومت پوری قوت اور جرأت ایمانی کے ساتھ مکمل طور پر اسلامی نظام کو نافذ کر دے اور ہر نوع کے مجرموں کو وہ سزائیں دے جو شریعت محمدیہ نے ان کے لیے تجویز کی ہیں، انہی سزاؤں کے نفاذ ہی میں درحقیقت زندگی کا راز مضمر ہے۔ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ڈکیتی و راہزنی کی صرف ایک واردات ہوئی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاکوؤں کو یہی سزا دی تھی جو سورۂ مائدہ کی آیت ۳۳ میں مذکور ہے، جس کا حوالہ ہم ابھی ابھی ذکر کر آئے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تب سے لے کر اب تک مدینہ منورہ میں ڈکیتی و راہزنی کی کوئی واردات نہیں ہوتی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک معروف و مشہور عربی خاندان عُرَیْنَہ کے کچھ لوگ مدینہ آئے اور یہاں انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا مگر مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آنے کی وجہ سے وہ بیمار پڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ شہر سے باہر جہاں بیت المال کے اونٹ چرتے ہیں تم وہاں جاؤ اور بطور علاج اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیو، چنانچہ یہ لوگ شہر سے باہر چلے گئے مگر جب یہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر دیا، اسلام سے مرتد ہو گئے اور اونٹوں کو لے کر بھاگ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے ایک دستہ ان کے تعاقب میں بھیجا، یہ دستہ انہیں گرفتار کر کے دوپہر سے قبل ہی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو گیا۔

---

[1] طٰہٰ: ۱۳۱

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں، ان کی آنکھوں میں لوہے کی سلائیں گرم کر کے پھیری جائیں اور انہیں شہر سے باہر سیاہ پتھروں والی زمین میں چھوڑ دیا جائے تاکہ خاک و خون میں تڑپتے رہیں، یہ لوگ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پینے کے لیے پانی تک نہ دیا گیا حتیٰ کہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۷ طبع کراچی)

آپ نے ملاحظہ فرمایا ان مجرموں کو یہ سخت سزائیں اس ذاتِ گرامی نے دی تھیں جو مجسم رحمت تھے، جو پیکرِ شفقت تھے، جو رحمۃ للعالمین تھے، آپ نے قصاصاً انہیں یہ سزائیں دیں کہ ان مجرموں اور راہزنوں نے بیت المال کے اونٹوں کے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا، یہ سزائیں ناگزیر تھیں تاکہ پھر سے ان جرائم کا اعادہ نہ ہو، آج ہمارے ملک و معاشرے سے بھی اس وقت تک جرائم کا خاتمہ اور مجرموں کی سرکوبی نہیں ہو سکتی جب تک ملک میں مکمل طور پر اور ہر شعبہ میں اسلامی نظام اور شریعت کے قانون کا عملی طور پر کامل نفاذ نہیں ہو جاتا۔

بات بہت دور نکل گئی ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ اسلام نے ذاتی و شخصی ملکیت کا پورا پورا احترام کیا ہے اور ذاتی و نجی ملکیت پر کسی کی دست درازی کو ہرگز ہرگز برداشت نہیں کیا بلکہ اس کے لیے سخت سے سخت سزائیں مقرر کی ہیں کیونکہ اس میں یہ حکمت و مصلحت بھی مضمر ہے کہ جس معاشرے میں لوگوں کے اموال کو تحفظ حاصل نہ ہو وہاں معاشی ترقی رک جاتی ہے، سرمایہ کاری کا عمل متاثر ہوتا ہے بے روزگاری میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشی ناہمواری پیدا ہوتی ہے۔ یہاں سے یہ لطیف اشارہ بھی ملتا ہے کہ نیشنلائزیشن کے بجائے اسلام پرائیویٹائزیشن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ اس طرح لوگ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت اور کوشش کرتے ہیں جس سے معاشی ترقی اور خوش حالی کو چار چاند لگتے ہیں۔

معاشی ترقی اور پیداوار صرف اس راس المال اور سرمایہ ہی پر موقوف نہیں ہے۔ جو کسی کی ذاتی ملکیت میں ہو بلکہ اس سلسلہ میں کارکنوں کی محنت و مشقت بھی ایک نہایت اہم عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، مزارعوں، مزدوروں اور کارکنوں کے پاس صرف جسمانی اور عقلی طاقتیں اور قوتیں ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے ہر شعبۂ زندگی میں بہار آتی ہے، لہٰذا اسلام نے جس طرح ذاتی ملکیت اور لوگوں کے ذاتی سرمایہ کو قابلِ احترام قرار دیا ہے، اس طرح اسلام نے کارکنوں کے کام کو بھی احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے،

کام کی حوصلہ افزائی کی ہے اور کام کرنے کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری ہے:

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ[1]

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھر اور (اللہ کا دیا ہوا) رزق کھاؤ۔

نیز فرمایا:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ[2]

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

مَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ[3]

اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کبھی کسی نے نہیں کھایا۔

کام کے اس مقدس نظریہ کے پیشِ نظر اسلام نے کارکنوں کے حقوق اور ان کی اجرتوں کی ادائیگی پر بھی بہت زور دیا ہے اور اس بات کی تلقین کی ہے کہ ان کے ساتھ وفا، مروت اور احسان کا سلوک کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کارکنوں اور مزدوروں کی حق تلفی کرتا اور ان کے معاوضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ ربّ ذوالجلال کا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے، اس قدسی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ

---

[1] الملک: ۱۵

[2] الجمعہ: ۱۰

[3] مشکوٰۃ ص ۲۴۱ طبع کراچی

اِسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ اَجْرَهٗ [1]

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ روز قیامت تین شخص سے میرا جھگڑا ہوگا (۱) جس نے میرے نام پر کوئی عہد کیا مگر غداری کی (۲) جس نے کسی آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو کھا لیا اور (۳) جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور کام تو اس سے پورا لے لیا مگر اس کی اجرت پوری ادا نہ کی۔

اسلام نے اس بات کی بھی ترغیب دی ہے کہ کارکنوں اور مزدوروں کی اجرت کی ادائیگی میں بھی تاخیر نہیں ہونی چاہیے، چنانچہ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بہت مشہور ہے کہ:

اَعْطُوا الْاَجِيْرَ حَقَّهٗ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ [2]

مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے اس کی مزدوری ادا کرو۔

اس ارشاد نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جہاں آجروں کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اجیروں کے معاوضوں کی ادائیگی میں کوتاہی اور تاخیر نہ کریں، وہاں اجیروں کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کے مطابق کام میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں! یاد رہے اسلامی نظام معاشیات کے ان اصولوں کا تعلق ہر نوع کے مباح اعمال سے ہے خواہ وہ جسمانی اعمال ہوں یا عقلی یا تنظیمی!

ذاتی ملکیت اور حقوق و فرائض

ذاتی ملکیت پر اسلام نے بہت سے حقوق کو تسلیم کیا ہے، ان میں سے دو بڑے اور بنیادی حق یہ ہیں (۱) حق دوام (۲) تصرف کی آزادی کا حق۔

حق دوام کے معنی یہ ہیں کہ جب تک مملوکہ چیز موجود ہے مالک کا حق ملکیت باقی ہے اور تصرف کی آزادی کے معنی یہ ہیں کہ مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے کرے یعنی اسے تجارت میں لگا سکتا ہے، اسے ہبہ یا تبرع کر سکتا ہے، عاریۃً دے سکتا ہے، اس کے بارے میں جو چاہے وصیت کر سکتا ہے، اسے وقف کر سکتا ہے مگر یاد رہے کہ اسلامی شریعت نے

---

[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۰۲ طبع کراچی

[2] ذکرہ صاحب مصابیح السنۃ فی الصحاح مشکوۃ ص ۲۵۸ طبع کراچی

مصلحت عامہ، دوسروں کے حقوق کے تحفظ اور ضرر و ضرار سے بچانے کے لیے ان دو حقوق پر بہت سی پابندیاں بھی عائد کی ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا۔

جس طرح ذاتی ملکیت کے سلسلہ میں کچھ حقوق کو تسلیم کیا گیا ہے، اسی طرح اس پر کچھ فرائض و واجبات کو بھی عائد کیا گیا ہے جنہیں حکومت یا معاشرے کی بہتری کے لیے ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اسلام کا نظامِ وصیت و وراثت

اسلام نے وراثت کے سلسلہ میں ایک بہت ہی حکیمانہ نظام پیش کیا ہے، جس میں وارثوں کے مابین وراثت کی نہایت حکیمانہ وعادلانہ طریقہ سے تقسیم کا اہتمام کیا گیا ہے اور تقسیمِ وراثت کے نظام کو اسلام نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ دولت صرف چند ہاتھوں ہی میں محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ دولت مختلف افراد میں تقسیم ہو کر معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ کے سلسلہ میں خاصا مؤثر کردار ادا کرتی ہے اور وہ اس طرح کہ میت کا ترکہ اس کے اقربا کی ایک بڑی تعداد میں تقسیم ہوتا ہے تو اس سے ایک طرف جہاں ایک شخص کی دولت سے مستفید ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے تو دوسری طرف اس سے دولت صرف ایک ہاتھ میں رہنے کے بجائے زیادہ ہاتھوں میں منتقل ہو جاتی ہے اور تیسرا فائدہ یہ کہ اس طرح مختلف لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقعہ بھی میسر آتا ہے۔ الغرض اگر وراثت سے متعلق اسلام کے حکیمانہ وعادلانہ نظام کو اپنا لیا جائے تو اس سے افراد و طبقاتِ انسانی کے مابین معاشی تفاوت بے حد کم ہو جاتا ہے، معاشیات میں بہت توازن اور اعتدال پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ انہی بلند اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے اسلام نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ نظامِ میراث سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضابطوں اور اصولوں کی خلاف ورزی کی جائے۔ میراث کے قواعد و ضوابط کی پابندی کرنے والوں کو جہاں فوز و فلاح کی خوشخبری سنائی وہاں ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو آخرت میں سخت سے سخت عذاب کی دھمکی بھی دی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ [1]

[1] النساء: ۱۳-۱۴

(یہ تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرماں برداری کرے گا اللہ اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا، جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

آزادئ تصرف پر چند پابندیاں

اسلام نے جس طرح اپنے مال میں تصرف کی پوری آزادی عطا فرمائی ہے اسی طرح اس آزادی پر چند پابندیاں بھی عائد کی ہیں تاکہ دوسروں کے حقوق کو نقصان نہ پہنچایا جا سکے یا پھر یہ پابندیاں مفادِ عامہ کے پیشِ نظر عائد کی گئی ہیں۔

اسلام نے مالک پر اپنے مال میں ہر اس تصرف کو حرام قرار دے دیا ہے جو کسی عام یا خاص ضرر کا موجب ہو یا اس سے دوسروں کی آزادی پر حرف آتا ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے مال میں آزادئ تصرف کے حق کو اس طرح استعمال کرے کہ اس سے دوسرے لوگوں کو ایذا پہنچے اور اس کے حق ملکیت کو سلب کئے بغیر لوگوں کو اس کے ضرر سے بچانا ممکن نہ ہو تو اسے ملکیت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اسلام مالک کو اس بات کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی ملکیت کو معطل قرار دے رکھے جب کہ اسے معطل کرنے میں مفادِ عامہ کو نقصان پہنچتا ہو؛ چنانچہ کتب اموال وخراج میں یہ واقعہ موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث مزنی کو مدینہ منورہ کے قریب "عقیق" نامی زمین عطا فرمائی تھی مگر وہ اس ساری زمین کو جب کاشت نہ کر سکے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ان سے فرمایا بلال دیکھو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طویل وعریض زمین کا سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ زمین عطا فرما دی تھی کیونکہ آپ تو کسی کے سوال کو بھی مسترد نہیں فرمایا کرتے تھے مگر بات یہ ہے کہ تم اس ساری زمین کو کاشت نہیں کر سکتے، انہوں نے جواب دیا جی ہاں یہ بات تو ہے کہ میں اس ساری زمین کو کاشت نہیں کر سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَانْظُرْ مَا قَوِيتَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَامْسِكْهُ، وَمَا لَمْ تَقْوَ عَلَيْهِ فَادْفَعْهُ إِلَيْنَا نَقْسِمْهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ۔

دیکھو جس قدر زمین کو تم کاشت کر سکتے ہو اسے اپنے پاس رکھو اور جس کو تم کاشت نہیں کر سکتے اسے واپس کر دو تاکہ ہم اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔

بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

لَا أَفْعَلُ وَاللّٰهِ شَيْءٌ أَقْطَعَنِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

میں تو واپس نہیں کروں گا کیونکہ مجھے تو یہ زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں تمہیں اس زمین کو ضرور واپس کرنا ہوگا، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو واپس لے لیا جسے حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کاشت نہیں کر سکتے تھے اور اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا[۱]۔

اسلام مصلحتِ عامہ اور مفادِ امت کی خاطر انفرادی ملکیت پر اس طرح کی چند پابندیاں ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اصحابِ ثروت پر وہ کچھ واجبات اور فرائض بھی عائد کرتا ہے۔ یہ واجبات و فرائض زکوٰۃ، خراج، ٹیکس، صدقات اور کفارات کی صورت میں ہیں، جن کا اختصار کے ساتھ ذکر اور معاشی ناہمواریوں کے ازالہ میں ان کے کردار کا تذکرہ حسبِ ذیل ہے:

۱۔ زکوٰۃ اسلام نے معاشی ناہمواریوں کے مسئلہ کو اس طرح حل کیا ہے کہ جب تک اس کے مطابق عمل ہوتا رہا، اسلامی معاشرے میں امیر اور غریب کی لڑائی کا کوئی سوال تک پیدا نہ ہوا، کسی فرد یا معاشرے کے کسی گروہ کو اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی، اسلام نے معاشی ناہمواریوں کے سلسلہ میں کوئی عارضی یا کسی سطحی نوعیت کا حل پیش نہیں کیا اور نہ ہی معاشیات کے مسئلہ کو محض ثانوی حیثیت دی ہے بلکہ اسلام نے اس کا ابدی، دائمی اور بہت جامع حل پیش فرمایا ہے اور معاشیات کے مسئلہ کو ایک اساسی اور اصولی مسئلہ کی حیثیت دی ہے۔ اسلام کے نظامِ معاشیات میں زکوٰۃ کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے فرمائیے کہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے زکوٰۃ ایک اہم رکن، اسلام کے ستونوں میں سے ایک نمایاں ستون اور اسلام کی مقرر کی گئی

---

[۱] کتاب الخراج، یحییٰ بن آدم ص ۱۱۰، کتاب الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام ص ۱۹۰، السنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۱۴۹

عبادات میں سے ایک عظیم عبادت ہے ؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ : شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ، وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ ، وَاِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَیْتِ [۱]

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے - ایک اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکوٰۃ دینا، چوتھے رمضان کے روزے رکھنا اور پانچویں (اگر استطاعت ہو تو) بیت اللہ کا حج کرنا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو شرک سے توبہ اور اقامت صلوٰۃ کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہونے، مسلمانوں کی اخوت کا حق دار بننے اور اسلامی سوسائٹی کی طرف منسوب ہونے کا عنوان قرار دیا ہے؛ چنانچہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والے مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ [۲]

"پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

آگے فرمایا:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ ط وَنُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ [۳]

---

[۱] صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰ ، صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵ ، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۶۸ ، سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۰۱ مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۳ ، السنن الکبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۱۹۹ ، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۱۳

[۲] التوبہ : ۵

[۳] التوبہ : ۱۱

"اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور سمجھنے والے لوگوں کے لیے ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔"

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک کوئی کافر و مشرک، کفر و شرک اور اس کے متعلقات سے تائب نہ ہو اور نماز کے فریضہ کو ادا نہ کرے جو مسلمانوں کے مابین ملی اتفاق و اتحاد کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور فریضۂ زکوٰۃ کو ادا نہ کرے جو مسلمانوں کے مابین اجتماعی مالی رابطے کا ایک اہم سبب ہے، وہ ملتِ اسلامیہ میں داخل نہیں ہو سکتا، نہ وہ اس دینی رشتۂ اخوت میں منسلک ہو سکتا ہے جو اسے ملتِ اسلامیہ کا ایک فرد بناتا ہے۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نماز کے ساتھ ساتھ ہر جگہ جو زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے مابین ایک بے حد گہرا تعلق ہے، ان دونوں کے بغیر کسی مسلمان کے اسلام کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی۔ نماز اسلام کا ایک بہت ہی اہم ستون ہے، جس نے اسے قائم کیا اس نے اسلام کی پرشکوہ عمارت کو استوار کر دیا اور جس نے اسے قائم نہ کیا اس نے گویا دین کی ساری عمارت کو اہڑام سے گرا دیا اور زکوٰۃ اسلام کا پل ہے، جو اس سے پار گزر گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے ادھر ادھر ہوا وہ تباہ و برباد ہو گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے ادا کرنے کو اپنے مومن، محسن، متقی اور نیک لوگوں کا نمایاں وصف قرار دیا ہے جب کہ زکوٰۃ کے ادا نہ کرنے کو مشرک اور منافق لوگوں کی علامت قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ کو ادا کرنا ایمان کی کسوٹی اور اخلاص کی بُرہان ہے۔ زکوٰۃ اسلام اور کفر، ایمان اور نفاق اور تقویٰ اور فسق و فجور کے مابین حدِ فاصل ہے لہٰذا کوئی بھی صاحبِ نصاب شخص زکوٰۃ ادا کئے بغیر مسلمانوں کے زمرہ میں شامل نہیں ہو سکتا، جن سے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کامیابی و کامرانی کا وعدہ فرمایا ہے اور اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ہدایت و رحمت کے مستحق اور جنت الفردوس کے وارث ہوں گے الغرض بے شمار آیات مبارکہ و احادیث شریفہ اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فریضۂ زکوٰۃ کوئی معمولی حکم نہیں ہے بلکہ یہ بہت اونچے درجے کا فرض ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر ان آیات و احادیث کے ذکر سے ہم صرفِ نظر کرتے ہیں اور ان کے ذکرِ جمیل کو کسی دوسری صحبت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

سرِ دست اس سلسلہ میں ہمیں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اسلام نے مختلف انواع و اقسام کی

ثروت اور دولت پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے تاکہ معاشرہ عدلِ اجتماعی کی بنیادوں پر استوار رہو، حاجتمندوں اور معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں، دولت و ثروت صرف چند ہاتھوں ہی میں محدود ہوکر نہ رہ جائے بلکہ اسلام نے زکوٰۃ کے نظام کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ اس سے معاشرے کے مختلف طبقات ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ قریب آتے ہیں اور ان میں باہمی فرق کم سے کم ہو جاتا ہے کہ اس فرق کو بالکل مٹا کر سب کو یکساں سطح پر کھڑا کرنا نہ ممکن ہے اور نہ مشیتِ ایزدی کا یہ تقاضا ہی ہے!

جیسا کہ بیان کیا گیا مختلف انواع و اقسام ثروت و دولت پر زکوٰۃ کو فرض کیا گیا ہے، چنانچہ اسلام نے زمین کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ کو فرض کیا ہے اور اس سونے، چاندی، مویشیوں، سامانِ تجارت اور دیگر مال و دولت پر بھی جو انسان کی ملکیت میں ہو مال و دولت کی مختلف انواع و اقسام میں زکوٰۃ کے نصاب اور شرح زکوٰۃ کا جو اسلام نے تعین کیا ہے، اس کا کتبِ حدیث و فقہ میں تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے۔

زکوٰۃ کے سلسلہ میں ایک بہت اہم اصول یہ بھی ہے کہ ہر طرح کے مال کی زکوٰۃ کو بیت المال میں جمع کروایا جائے اور پھر بیت المال شریف کے مقرر کردہ مصارف پر زکوٰۃ کو خرچ کردے۔ مصارفِ زکوٰۃ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حسبِ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [1]

"صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیفِ قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں (بھی یہ مال) خرچ کرنا چاہیے، (یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔"

---

[1] التوبہ: ۶۰

مصارفِ زکوٰۃ کی تفصیل کے لیے اس آیت مبارکہ کے تحت کتبِ تفسیر نیز کتب حدیث و فقہ کی طرف رجوع فرمائیں!

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے، زکوٰۃ اسلام کا ایک انتہائی اہم رکن ہے، یہی وجہ ہے کہ کبھی اس کا ذکر قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ کیا گیا اور کبھی نماز کے ساتھ اسچی بات یہ ہے کہ اقتصادی توازن کی حفاظت کرنے، طبقاتی فرق کے کم کرنے، اجتماعی تکافل کی روح کے پھیلانے، خیر و برکت کے عام کرنے اور معاشی ناہمواریوں کے ختم کرنے کے سلسلہ میں اسلامی نظام معاشیات کا یہ اہم باب بے حد مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نگاہ میں اس فریضہ کی اس قدر اہمیت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب بعض قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں مرتد قرار دیا، ان کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور ارشاد فرمایا:

وَاللّٰہِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا کَانُوْا یُعْطُوْنَہٗ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَقَاتَلْتُھُمْ عَلَیْہِ وَلَوْ وَحْدِیْ مَا اسْتَمْسَکَ السَّیْفُ بِیَدِیْ، لَقَدِ اکْتَمَلَ الدِّیْنُ وَ تَمَّ الْوَحْیُ اَوَ یُنْقَصُ وَ اَنَا حَیٌّ؟

"اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر یہ مجھے اس ایک بکری کے بچے کے بطور زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کریں گے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا، خواہ مجھے تنہا ہی جہاد کرنا پڑے، جب تک میرے ہاتھ تلوار اٹھا سکیں گے میں ان کے خلاف جہاد کرتا رہوں گا۔ دین مکمل ہو گیا ہے، وحی کا سلسلہ تمام ہو گیا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور دین کو کم کر دیا جائے"!

اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں سر اٹھانے والے ایک بہت بڑے فتنہ کا قلع قمع کر دیا جو اسلام کے لیے بہت خطرناک اور اس کے مضبوط و مستحکم نظامِ معاشیات کے خلاف ایک سازش تھی!

۲۔ زرعی ٹیکس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض زرعی زمینوں پر زرعی ٹیکس بھی لگایا گیا تھا، تفصیل اس اجمال کی کچھ اس طرح ہے کہ جب آپ کے عہد مبارک

میں سرزمین عراق فتح ہوئی تو بعض صحابہ کرامؓ کی رائے یہ تھی کہ عراق کی اس ساری زمین کو فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے مگر آپ نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور فرمایا کہ اس طرح تو ساری زمینیں تقسیم ہو جائیں گی جب کہ مستقبل میں اسلامی حکومت کو اپنے معاشرے کی کفالت، سرحدوں کی حفاظت اور مفادِ عامہ کے کاموں کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہوگی لہٰذا آپ نے اس سلسلہ میں طریق کار یہ اختیار فرمایا کہ زمین کا حق ملکیت تو حکومت کی تحویل میں دے دیا اور زمینداروں سے فرمایا کہ تم بدستور ان زمینوں میں کاشت کرتے رہو اور حکومت کو باقاعدہ خراج دیتے رہو۔

اس طرح خراج کی صورت میں فراہم ہونے والے سرمایہ کو مسلمانوں کی مصالح عامہ، سرکاری ملازمین، صوبائی گورنروں، قاضیوں، مفتیوں، علماء، فوجیوں، راستوں، مسجدوں، سراؤں، پلوں اور نہروں کے اخراجات کے سلسلہ میں خرچ کرتے تھے، جس سے اسلامی معاشرہ میں خوشحالی کی ایک بہت عمدہ لہر پیدا ہو گئی لے

۳۔ دیگر ٹیکس اسلامی فقہ میں اس بات کے جواز کی بھی پوری گنجائش ہے کہ حکومت وقت کسی ضرورت و مصلحت کے پیش نظر وقتی یا دائمی ٹیکس بھی عائد کر سکتی ہے، اسی بنیاد پر عہد خلافت میں درآمدات پر ٹیکس عائد تھا اور ان تاجروں پر بھی جو اسلامی ممالک کی شاہراؤں سے گزرتے تھے، نیز بندرگاہوں سے گزرنے والے جہازوں سے بھی ٹیکس وصول کیا جاتا تھا علاوہ ازیں اور بھی کئی طرح کے ٹیکس وقتاً فوقتاً عائد کئے جاتے تھے اور ان سے مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا۔

۴۔ صدقات اسلام نے دولت مندوں پر عید یا دیگر مناسبتوں کی وجہ سے بھی یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ فقراء و مساکین کی ضروریات کو پورا کرنے اور انہیں خوشیوں میں شریک کرنے کے لیے اپنے مالوں سے صدقات ادا کریں، اس قبیل کے صدقات میں سے صدقۃ الفطر بہت نمایاں حیثیت کا حامل ہے جسے ہر خاندان کا سربراہ اپنے اور اپنے تمام افراد خانہ کی طرف سے ہر سال عید الفطر کے موقعہ کی مناسبت سے ادا کرتا ہے تاکہ معاشرہ کے مفلوک الحال لوگ

لے تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے المیدانی علی القدوری، کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف، کتاب الخراج قاضی ابو یعلیٰ موصلی اور الفاروق، علامہ شبلی نعمانی۔

بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔

اسی طرح عید الاضحیٰ کے موقعہ پر کی جانے والی قربانیاں یا وہ "ھدی" جو حاجی کے لیے بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں واجب ہوتی، ان میں بھی فقراء و مساکین کو شریک رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط [1]

ان میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنیوالوں کو بھی کھلاؤ۔

۵۔ کفارات اسی طرح اسلام نے بہت سے جرائم اور گناہوں کی سزا کفارہ کی صورت میں رکھی ہے اور اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ فقراء و مساکین اور معاشرے کے نادار اور مفلوک الحال لوگوں سے تعاون ہوتا رہے اور ان کی مالی مشکلات کے حل کی کوئی نہ صورت نکلتی رہے؛ چنانچہ قسم توڑ دینے، ظہار، روزہ اور حج کے سلسلہ میں بعض کوتاہیوں کی صورت میں کفارہ ہی کا حکم ہے قسم توڑ دینے کے کفارہ کی بابت ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ [2]

اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مؤاخذہ کرے گا تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد

---

[1] الحج: ۳۶

[2] المائدہ: ۸۹

کرنا اور جس کو یہ میسّر نہ ہو وہ تین روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو اس طرح اللہ تمہارے (سمجھانے کے) لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

کفارۂ ظہار کی بابت فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ [1]

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضرور) ہے (مومنو) اس (حکم) سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلانا (چاہیے) یہ (حکم) اس لیے (ہے) کہ تم اللہ اور رسول کے فرمانبردار ہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کے کفارہ کی بابت فرمایا:

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ [2]

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے

---

[1] المجادلۃ: ۳-۴

[2] البقرۃ: ۱۸۴، اس آیت میں تندرست اور طاقتور شخص پر روزہ رکھنا لازم نہیں کیا گیا تھا بلکہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا گیا تھا مگر اس کے بعد کی آیت میں یہ اختیار زائل کر دیا گیا اور روزہ رکھنا لازم اور قطعی کر دیا گیا۔

محتاج کو کھانا کھلادیں۔

کفارہ حج کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ[1]

اور اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر (رستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے سر نہ منڈاؤ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو اگر وہ سر منڈا لے تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

نیز فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا ۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ[2]

مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے تو (یا تو اس کا) بدلہ (دے اور وہ یہ ہے کہ) اس طرح کا چار پایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور قربانی) کعبے پہنچائی جائے یا کفارہ (دے

---

[1] البقرۃ: ۱۹۶

[2] المائدۃ: ۹۵

اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا دے ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو پھر (ایسا کام) کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب (اور) انتقام لینے والا ہے۔

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ اسلام نے بعض جرائم اور بعض گناہوں کی سزائیں بھی ایسی مقرر کی ہیں کہ ان سے فقراء و مساکین اور معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کو مالی اور مادی فائدہ پہنچتا ہے۔

وہ اشیاء جو کسی کی ذاتی ملکیت نہیں

اسلام نے کچھ اشیاء کو ذاتی ملکیت کے دائرہ سے خارج بھی قرار دیا ہے تاکہ ان سے سارا معاشرہ مستفید ہو، ان اشیاء کو ذاتی کے بجائے قومی ملکیت میں دینے سے مقصود یہ ہے کہ کوئی فرد یا افراد ان پر غاصبانہ تسلط نہ جما سکیں؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار اشیاء یعنی (۱) پانی (۲) گھاس (۳) آگ اور (۴) نمک کو اسی قبیل سے قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَآءُ فِيْ ثَلَاثٍ فِي الْمَآءِ وَالْكَلَاءِ وَالنَّارِ[1]

تین چیزوں یعنی (۱) پانی (۲) گھاس اور (۳) آگ میں تمام مسلمان شریک ہیں۔

اس حدیث میں ان تین اشیاء کا ذکر ہے بعض احادیث میں ان کے ساتھ نمک کا ذکر بھی ہے احادیث میں ان چار اشیاء کی تخصیص اس لیے کی گئی کہ ان کا تعلق اس دور کے عربی معاشرے کی اجتماعی ضروریات سے تھا لیکن مختلف معاشروں اور مختلف زمانوں میں اجتماعی ضروریات چونکہ مختلف ہوتی ہیں لہٰذا بوقت ضرورت "قیاس" کے اصول کی روشنی میں اس فہرست میں کمی بیشی ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے راستوں، پلوں، آثار قدیمہ، خزانوں اور مفاد عامہ سے متعلق دیگر بہت سی اشیاء کو اسی قبیل میں شمار کیا ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد (حدیث ۳۴۷۷) مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۴، السنن الکبریٰ بیہقی ج ۶ ص ۱۵۰، سنن ابن ماجہ (حدیث ۲۴۷۳)، حافظ ابن حجرؒ نے "تلخیص" میں اور علامہ بوصیریؒ نے "الزوائد" ج ا ص ۱۵۳ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، ارواء الغلیل ج ۶ ص ۹۔

انہی احادیث میں مذکور اشیاء پر قیاس کرتے ہوئے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ زمین سے نکلنے والی تمام ٹھوس اور مائع معدنیات (گیس اس زمانے میں ابھی تک برآمد نہ ہوئی تھی) کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ بیت المال یعنی حکومت کی ملکیت ہوں گی، کسی ایک فرد، افراد یا کسی ادارے کی ملکیت زمین سے معدنیات ملیں تو وہ بھی اجتماعی ملکیت ہی شمار ہوں گی۔ امام مالکؒ کا استدلال یہ بھی ہے کہ زمین کا مالک اس کے ظاہر کا مالک ہوتا ہے، باطن کا نہیں یعنی وہ انہی امور کا مالک ہے جن کے لیے عموماً زمین کو استعمال کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ زمین یا تو زراعت کے لیے استعمال ہوتی ہے یا عمارت بنانے کے لیے اور پھر معدنیات تو زمین میں اللہ کی طرف سے ودیعت ہیں جو تمام لوگوں کے لیے ہیں کسی ایک مخصوص انسان کے لیے نہیں لہٰذا یہ انہی اشیاء سے مشابہت رکھتی ہیں، جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ احادیث میں ذکر فرمایا ہے لہٰذا کسی ایک انسان کی ملکیت میں انہیں دینا درست نہیں کیونکہ ان کی سب لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے کسی ایک انسان کی ملکیت میں دینے سے دیگر سب لوگوں کو نقصان ہوگا[1]

اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی یہ رائے بہت موزوں، اسلامی شریعت کی روح کے مطابق اور اکثر وبیشتر فقہاء کرام کی آراء سے متفق ہے تاہم ہم دیگر ائمہ کرام وفقہاء عظام کی آراء کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں:

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی اشیاء مثلاً تیل، تارکول، گندھک، مومیائی یا قیمتی پتھر کسی شخص کی ملکیت نہ ہوں گے، نہ انہیں کوئی محض اپنے لیے مخصوص کر سکتا ہے حتیٰ کہ بادشاہ کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اشیاء کو اپنے لیے مخصوص کرے کیونکہ ان تمام اشیاء کا حکم بھی وہی ہے جو پانی اور گھاس کا حکم ہے، اگر کوئی شخص یا بادشاہ وغیرہ ان اشیاء کو اپنے لیے مخصوص کرے تو وہ ظالم ہوگا[2]

علامہ کاسانیؒ "بدائع الصنائع" (جو فقہ حنفی کی اہم کتب مراجع میں سے ہے) میں فرماتے ہیں کہ امام وقت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو ایسی زمین دے جس سے نمک، تارکول یا پٹرول

---

[1] بحوث اقتصادیة وتشریعیة ص ۱۴۲، مصر

[2] کتاب الام ج ۳ ص ۲۶۶ - طبعہ بولاق

وغیرہ جیسی چیزیں نکلتی ہوں کیونکہ ان چیزوں میں دیگر سب لوگوں کا بھی حق ہے، اگر ایسی زمین محض ایک شخص یا چند اشخاص کو دے دی جائے تو اس سے دیگر سب لوگوں کو حق تلفی ہوتی ہے، جو کہ جائز نہیں[1]

امام ابن قدامہؒ، جن کا کبار ائمہ حنابلہ میں شمار ہوتا ہے، اپنی شہرہ آفاق کتاب "المغنی" میں فرماتے ہیں کہ خلاصۂ کلام یہ ہے یہ معدنیات مثلاً نمک، پانی، گندھک، گیس، مومیائی، پٹرول، یاقوت وغیرہ سب لوگوں کے نفع کے لیے ہوتی ہیں لہٰذا یہ جائز نہیں کہ انہیں چند لوگوں کی ملکیت میں دے دیا جائے کیونکہ اس سے باقی لوگوں کو نقصان پہنچے گا تو انہیں تکلیف ہوگی[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ کے لیے عملی اقدام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ـــــ پھول کی پتیوں سے زیادہ معصوم، قوس قزح سے زیادہ صاف وشفاف اور ماہِ شبِ چہار دہم کی چاندنی سے زیادہ اجلی اور بے داغ سیرت ـــــ جو رہتی دنیا تک تمام انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ ہے، اس سے ہمیں معاشرے سے معاشی ناہمواریوں کے لیے عملی اقدام کی ایک بہت ہی نمایاں مثال بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ آپ سب حضرات خوب جانتے ہیں مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرہ دو اہم طبقوں میں منقسم تھا۔ ایک طبقہ مہاجرین کا تھا اور دوسرا انصار کا، مہاجرین کا مقدس گروہ وہ تھا جس نے اللہ اس کے رسول کی محبت کی خاطر اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے وطن مالوف مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیا تھا اور وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ مکہ کے لوگوں نے اس دور میں ان ہجرت کرنے والوں کو جس طرح آلام ومصائب کا تختہ مشق بنایا، طرح طرح سے ستایا اور تڑپایا اور سب کچھ چھین چھان لیا تھا۔ مدینہ میں اب ان کے پاس بجز متاعِ دین وایمان کے اور کچھ نہ تھا لہٰذا مالی اور معاشی ناہمواریوں کا شکار ہونا ایک بدیہی بات تھی۔

دوسری طرف مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا وہ مقدس گروہ تھا، تاریخ کے صفحات میں انصار

---

[1] بدائع الصنائع

[2] المغنی، ابن قدامہ

کے پر افتخار نام سے جو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ انصار کی اس وقت مالی حالت مہاجرین کے مقابلہ میں بہت بہتر تھی بلکہ اگر یہ کہا جائے تو کچھ مبالغہ نہ ہوگا کہ انصار اس دور کے مطابق عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے، وہ زمینوں، باغوں اور گھروں کے مالک تھے گویا پہلے اسلامی معاشرے میں معاشی طور پر بہت زیادہ فرق تھا لیکن ان معاشی ناہمواریوں کے ازالہ اور خاتمہ کے لیے امام کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عملی حل پیش فرمایا، دنیا کے بڑے بڑے ماہرین معاشیات اس کی کوئی مثال پیش نہ کر سکے۔

مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کو رشتۂ اخوت میں منسلک کر دیا تھا؛ چنانچہ ان مہاجرین و انصار کی تعداد نوے کے قریب تھی، جنہیں ایک دوسرے کا بھائی بنایا گیا اور آپ نے ان سے اس بات کا عہد و پیمان لیا کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ تصور کریں گے، صد آفرین حضرات انصار کے جنہوں نے اس عہد و پیمان کو خوب نبھایا، مہاجرین کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ سمجھا بلکہ ایثار اور قربانی کی ایسی درخشاں روایات قائم کیں کہ قرآن قیامت تک شہادت دیتا رہے گا کہ:

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ[1]

جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں، اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

اس سب کچھ کے باوجود قدوسیوں کے ان دونوں گروہوں میں ابھی تک کافی فرق تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جونہی موقعہ ملا آپ نے اس معاشی تفاوت کو ختم کرنے اور معاشرے

---

[1] الحشر: ۹

میں اقتصادی توازن و اعتدال پیدا کرنے کے لیے ایک اور ایک اقدام فرمایا اور وہ یہ کہ جب بغیر جنگ وجدال کے بنو نضیر کے علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ بنو نضیر مدینہ کے یہودی تھے، انھوں نے مسلمانوں سے نہ صرف عہد شکنی کی بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں تو حضرات صحابہ کرام نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا اور بالآخر انہیں مدینہ سے جلا وطن کر دیا اور ان کے مال و دولت کو بطور غنیمت اپنے قبضے میں لے لیا تو معاشی ناہمواریوں میں مبتلا طبقے کو اقتصادی توازن اور اعتدال بخشنے کے لیے یہ سارا مال غنیمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین میں تقسیم فرما دیا تھا اور انصار میں سے صرف دو آدمیوں یعنی سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ کو حصہ دیا کیونکہ انصار میں سے صرف یہی دو شخص مفلوک الحال تھے[1]

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اس دور کے معاشرے کی معاشی ناہمواریوں کا حل پیش فرمایا اور آپ کی قیادت و سیادت میں جو سب سے پہلا اسلامی معاشرہ تھا، وہ اقتصادی توازن اور اعتدال کی ایک بہترین مثال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا قرآن مجید میں بھی ذکر فرمایا ہے۔ آئیے مل کر اسے پڑھتے ہیں:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا

---

[1] ملاحظہ فرمائیے تفسیر ابن کثیر، سورہ حشر آیت ۹، الاحکام السلطانیہ، ماوردی ص ۶۱

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝[1]

جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے، وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور ان مفلسان تارک الوطن کے لیے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیے گئے ہیں اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں، یہی لوگ سچے (ایمان دار) ہیں اور اُن لوگوں کے لیے بھی جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں مستقل رہے اور جو لوگ ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر اس طرح کی تقسیم سے جو مقصد عظیم تھا، ان مذکورہ بالا آیات مبارکہ کے مطالعہ سے وہ خوب واضح ہوجاتا ہے اور وہ مقصد عظیم جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا صرف اور صرف یہ تھا کہ مہاجرین اور انصار کے ان دونوں طبقوں کے مابین معاشی تفاوت کو ختم کرکے توازن اور اعتدال پیدا کر دیا جائے، یہ آیات انصار کی عظمت، بلندیٔ کردار اور مہاجرین کے لیے انہوں نے ایثار کی جو بلند پایہ مثال پیش کی اس پر بھی خوب روشنی ڈالتی ہیں۔

علامہ بلاذری نے اپنی کتاب "فتوح البلدان"[2]، اور امام رازیؒ نے اپنی تفسیر[3] میں لکھا ہے کہ بنو نضیر

---

[1] الحشر : ۷-۹

[2] فتوح البلدان

[3] تفسیر کبیر تحت تفسیر سورہ الحشر

کی جلا وطنی کے بعد مہاجرین و انصار جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ ان کے مابین مالِ غنیمت کو تقسیم فرما دیں تو آپ نے فریقین پر مشتمل ایک کانفرنس کا انعقاد فرمایا جس میں آپ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس مالِ غنیمت کو بھی تمہارے اموال میں شامل کر کے پھر تمام مجموعی اموال کو تمہارے اور تمہارے مہاجرین بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے اموال تمہارے پاس ہی رہیں اور اس مالِ غنیمت کو صرف تمہارے مہاجر بھائیوں کے لیے مخصوص کر دیتا ہوں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز اس لیے پیش فرمائی تھی آپ معاشرے کے تمام طبقوں میں اقتصادی توازن اور اعتدال پیدا فرمانا چاہتے تھے، اُدھر قربان جائیں اُن انصار کرام کے جنھوں نے یہ ارشادِ نبوی سن کر یہ جواب دیا جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

"یا رسول اللہ! بَلْ نَجْعَلُ هٰذَا الْفَيْءَ لِإِخْوَانِنَا الْمُهَاجِرِينَ!
ثُمَّ تَقْسِمُ لَهُمْ مِّنْ اَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ!"[1]

"یا رسول اللہ! یہ سارا مالِ غنیمت ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے! پھر ہمارے اپنے مال بھی حاضر ہیں ان میں سے بھی آپ جو پسند فرمائیں، مہاجرین میں تقسیم فرما دیں۔"

معاشی تعلقات کی بنیاد اخلاق پر

اسلام کے اقتصادی و معاشی نظام کی ایک بہت سی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے مابین تعلقات کو محض منفعت بخش اور مادی بنیادوں ہی پر استوار نہیں کرتا جیسا کہ دیگر مروجہ معاشی نظاموں میں محض منفعت و مادیت پر زور دیا گیا ہے بلکہ اسلام تو لوگوں کے معاشی تعلقات کو بھی خالص انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے اگر اسلام کی معاشی تعلیمات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس سے معاشرے میں اجتماعی تکافل، تعاون، الفت و محبت، رحمت و شفقت، خیر و برکت، عدل و احسان اور احترامِ انسانیت جیسے اخلاقِ کریمانہ پروان چڑھتے

---

[1] فتوح البلدان و تفسیر کبیر، کتاب المغازی للواقدی

ہیں اوران اخلاق کریمانہ کے حامل معاشرے کا ہر فرد دوسروں کے لیے بھی وہی پسند کرتا ہے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی وہ پسند نہیں کرتا جسے وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ اسلام نے معاشی تعلقات کے سلسلہ میں جن انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر زور دیا ہے، ان میں سے چند ایک کا اختصار کے ساتھ ذکر حسب ذیل ہے:

۱۔ اجتماعی تکافل و تضامن اسلام نے اجتماعی تکافل و تضامن کے لیے سب سے بہتر تصور پیش کیا ہے۔ اسلام نے دولت مندوں پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنے ان قریبی رشتہ داروں پر خرچ کریں جو فقراء و مساکین ہوں یا کمانے سے معذور ہوں۔ اسلام نے ہر خاندان، ہر بستی اور ہر شہر کے باشندوں پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنے مفلوک الحال اور نادار لوگوں کی کفالت کا انتظام کریں۔ فقہاء کرام کی ایک جماعت، جن میں امام ابن حزمؒ سر فہرست ہیں، کا یہ مذہب ہے کہ اگر کسی شہر کا کوئی ایک شخص بھوک و افلاس کی وجہ سے مر گیا تو وہ سارا شہر ذمہ دار ہوگا اور اسے مرنے والے کے خاندان کو دیت ادا کرنا پڑے گی کیونکہ وہ سب اس کے مرنے میں شریک ہیں؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

أَيُّمَا أَهْلِ عَرْصَةٍ أَمْسَوْا وَفِيهِمْ جَائِعٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُمْ ذِمَّةُ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔

جس علاقے میں کوئی شخص بھوکا رہا تو اللہ اور اس کا رسول اس علاقے کے لوگوں سے بری ہے۔

امام ابن حزمؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "المحلّٰی بالآثار" میں لکھتے ہیں کہ ہر شہر کے دولت مندوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے فقراء کی ضروریات کو پورا کریں؟ اگر وہ از خود خیال نہ کریں تو حاکم وقت انہیں مجبور کر سکتا ہے اگر اس شہر کے دولت مندوں کی زکوٰۃ اور دیگر اموال سے ان کی صحیح کفالت نہ ہو سکتی ہو تو حاکم وقت کے لیے یہ فرض ہوگا کہ وہ ان کے لیے کوئی ایسا انتظام کرے جس سے ان خوراک اور گرما و سرما کے تقاضوں کے مطابق لباس کی ضروریات پوری ہوں نیز رہائش کی ضرورت پوری ہو، اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ [1]

اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔

اور عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ۔

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے (ظلم کے) سپرد کرے۔

تو جو شخص اپنے بھائی کو چھوڑ دے کہ وہ چاہے بھوکا رہے یا ننگا جب کہ وہ اسے کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے پر قادر ہو تو اس نے گویا اس پر ظلم کیا اور اسے بھوک اور ننگ کے سپرد کر دیا.....

حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَى الْاَغْنِيَاءِ فِيْ اَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ مَا يَكْفِيْ فُقَرَاءَهُمْ، فَاِنْ جَاعُوْا اَوْ عَرُوْا فَبِمَنْعِ الْاَغْنِيَاءِ [2]

"اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مالوں پر اس قدر فرض کیا ہے جو فقراء کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو اگر فقراء بھوکے یا ننگے ہوں تو دولت مندوں کو ان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے مجبور کیا جائے گا۔"

حضرت عائشہؓ، حسن بن علیؓ اور ابن عمرؓ سب کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی ان سے مدد کا خواستگار ہوتا تو یہ فرماتے کہ تم اگر کسی قتل، ٹیکس یا فقر کی پریشان کے باعث سوال کر رہے ہو تو ہماری مدد واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے شریعت کو مقرر ہی اس طرح فرمایا ہے کہ اس میں مخلوق کے مصالح کی ضمانت دی گئی ہے اور اس طرح کی مجبوری کے بغیر کوئی سوال کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے دین سے بھی جاہل ہے اور اس کے بندوں کی مصلحتوں سے بھی ناآشنا ہے!

قرآن کریم کے ایک سے زیادہ مقامات پر قریب و بعید کے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا

---

[1] الاسراء: ۲۶، ابن حزم: المحلی: ۳: ۴۵۲

[2] (ا) بحوث اقتصادیۃ وتشریعیۃ، ص ۱۴۸

(ب) المحلی: ۳: ۴۵۵ طبع مصر

حکم دیا گیا ہے مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ [1]

اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں .... سب کے ساتھ احسان کرو ۔

غور فرمائیے کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی عبادت کا حکم دیا، شرک سے منع فرمایا اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو فرض قرار دیا وہاں قریب و بعید کے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کو بھی فرض قرار دیا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات میں بھی ہمیں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ملتا ہے مثلاً آپ کا یہ مشہور ارشادِ گرامی ہے :

لَيْسَ مِنَّا مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ [2]

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو خود تو سیر ہو کر سویا مگر اس کا پڑوسی بھوکا سویا ۔

اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ اس قدر حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے کہ اس سلسلہ میں مسلم و غیر مسلم میں بھی کوئی فرق نہیں کیا ۔ امام مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک غلام ان کے لیے بکری ذبح کر رہا تھا تو آپ نے اس سے فرمایا ہمارے یہودی پڑوسی کو نہ بھولنا (یعنی اس کے گھر بھی گوشت پہنچانا) حضرت ابن عمرؓ دوبارہ پھر اس کے پاس آئے اور اسے دوبارہ سہ بارہ یہی تاکید کی تو مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے از راہِ تعجب پوچھا کہ آپ کتنی دفعہ یہ بات فرمائیں گے؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا کہ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا :

مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ

---

[1] النسآء : ۳۶

[2] مشکوٰۃ ص ۴۲۴ طبع کراچی

سَيُوَرِّثُهُ؀ [1]

جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو باقاعدہ وارث ہی ٹھہرا دیں گے۔

جب کوئی شخص اپنی کسی جائیداد کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اسلام نے پڑوسی کو حقِ شفعہ عطا کیا ہے، اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کا جو خیال رکھا ہے، حقِ شفعہ اس کی ایک بہت ہی نمایاں مثال ہے۔

اسی طرح اسلام نے اس بات کو بھی فرض قرار دیا ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے جو کمانے سے عاجز و قاصر ہوں نیز بہت بوڑھے مردوں عورتوں پر بھی خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ ان کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو جو ان کی ضروریات کو پورا کرسکتا ہو۔ اسلام اس سلسلہ میں مسلم وغیر مسلم کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتا "کتاب الخراج" قاضی ابو یوسف میں ہمیں حضرات خلفاءِ راشدین کے کئی ایسے واقعات ملتے ہیں، جو ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

اسلام نے یہ بھی فرض قرار دیا ہے کہ جس کے پاس مال و دولت ہے، وہ ضرورت مند کو اس قدر دے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے؛ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ آپ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَىٰ مَنْ لَا زَادَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَىٰ مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، ثُمَّ اَخَذَ يُعَدِّدُ مِنْ اَصْنَافِ الْاَمْوَالِ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنْ لَيْسَ لَنَا مِنْ مَالِنَا اِلَّا مَا يَكْفِيْنَا [2]

---

[1] پڑوسیوں کے حقوق سے متعلق احادیث کے لیے ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن کثیر، سورہ نساء آیت ۳۶ نیز غزالی کی "احیاء العلوم" کی تخریج احادیث از علامہ عراقی ج ۲ ص ۱۸۸-۱۹۱ طبع مصطفیٰ حلبی ۱۳۴۶ھ

[2] صحیح البخاری ۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱ طبع کراچی

جنکے پاس ضرورت سے زیادہ زادِ راہ ہو وہ اسکو دیدے جس کے پاس زادِ راہ نہ ہو. جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سواری ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو پھر آپ نے اسی طرح مختلف قسم کے اموال شمار کرائے حتیٰ کہ ہم نے یہ خیال کیا کہ ہمیں اپنے مال پر صرف اسی قدر حق ہے جس سے ہماری ضروریات پوری ہوں اور بس!

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ، جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ [1]

"اشعریوں کا جب جنگ میں زادِ راہ ختم ہو جاتا ہے یا مدینہ میں ان کے اہل وعیال کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو وہ اپنے سارے مال کو ایک کپڑے میں جمع کر کے سب میں مساوی طور پر تقسیم کر لیتے ہیں، یہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا ہے کہ ایک موقعہ پر تین سو صحابہ کرام تھے کہ ان کا زادِ راہ کم ہو گیا تو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کے زادِ راہ کو توشہ دانوں میں جمع کیا اور اس میں سے سب کو مساوی طور پر خوراک تقسیم کی [2]

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے تکافل اجتماعی کی بہترین مثالیں پیش فرمائی ہیں حتیٰ کہ قبل از بعثت بھی اس سلسلہ میں آپ کا کردار بے حد مثالی تھا جیسا کہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ سے ثابت ہوتا ہے جو انہوں نے اس وقت استعمال فرمائے تھے جب آپ نے پہلی وحی کے نزول کے بعد گھر آکر ان سے فرمایا تھا کہ "مجھے کپڑا اڑھاو" اچنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فوراً کپڑا اڑھا دیا، جب آپ کو سکون ہوا تو آپ نے حضرت خدیجہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشرکۃ ج ۱ ص ۳۳۸ طبع دہلی

[2] صحیح بخاری: ۱: ۳۳۷ طبع دہلی

رضی اللہ عنہا کو نزولِ وحی کا تمام واقعہ کہہ سنایا اور پھر فرمایا کہ :

خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ ۔

مجھے جان کا خوف ہے ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سُن کر عرض کیا :

كلا واللّٰهِ ما يخزيك اللّٰهُ ابدًا ، انك لتصل الرحم وتقري الضيف وتحمل الكل وتعين علٰى نوائب الحق [1]

ہرگز نہیں ! واللہ ! اللہ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں ، مہمانوں کی مہمانداری اور بے چاروں کی چارہ گری فرماتے اور مفلس کے لیے ذریعۂ معاش مہیا کرتے ہیں اور حق رسی کی کڑی مصیبت میں مددگار بنتے ہیں ۔"

کمائی کے ناجائز طریقوں کی حرمت

اسلام نے کمائی کے ناجائز طریقوں کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے یعنی رشوت ہو یا اقتدار اور اثر و رسوخ کا غلط استعمال ، لوگوں کو دھوکا دینا ہو یا کسی بھی دوسرے باطل طریقے کو اختیار کر کے لوگوں کو ان کے اموال سے محروم کرنا ، لوگوں کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کر دینا ہو یا ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا ، غرض کمائی کے جس قدر بھی ناجائز طریقے ہیں اسلام نے انہیں قطعی طور پر حرام قرار دیا ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی بھی ناجائز طریقے سے کمائے تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اسے چھین کر بیت المال میں جمع کر دے ، اسلام نے کمائی کے ناجائز طریقوں کو جو حرام قرار دیا ہے تو اس میں بھی یہی حکمت و مصلحت مضمر ہے کہ اسلام اس طرح معاشرے کے افراد اور مختلف طبقات کے مابین اقتصادی توازن اور اعتدال پیدا کرنا چاہتا اور معاشی تفاوت کو کم سے کم کرنا چاہتا ہے نیز اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگوں کے باہمی اقتصادی تعلقات تکافل ، مہر و محبت ، رحمت و شفقت ، صداقت اور عدل و احسان کی بنیادوں پر استوار ہوں اور لوگ اپنے معاملات میں ہر اس چیز سے اجتناب کریں فطرتِ سلیمہ جس سے انکار کرتی ہو

---

[1] صحیح البخاری ، باب کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جس سے نفرت اور بغض کے جذبات پروان چڑھتے ہوں، جس سے طبقاتی کشمکش پیدا ہوتی ہو اور جس سے اجتماعی زندگی اضطراب اور انتشار کا شکار ہوتی ہو!

کمائی کے ناجائز طریقوں کی حوصلہ شکنی سے اسلام کے سامنے ایک بلند ترین مقصد یہ بھی ہے کہ اسلام لوگوں کو محنت اور جدوجہد سے مال کمانے اور اسے بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور سستی، دون ہمتی اور کمائی کے ان تمام طریقوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے جو باوقار اور معزز نہ ہوں یا جن کو اختیار کر کے محنت و مشقت کئے بغیر انسان زیادہ سے زیادہ مالی فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک بے حد نمایاں کڑی یہ ہے کہ اسلام نے سُود کو بلاشک و شبہہ قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے اور اسے اکبر الکبائر میں سے شمار کیا ہے۔ سُودی کاروبار کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرما دیا ہے کہ:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ [1]

اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ

---

[1] الروم : ۳۹

إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝
يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
أَثِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا
فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ
أَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ [1]

جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سُود (لینا) حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سُود کو حرام تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سُود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا اور (قیامت میں) اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔ اللہ سُود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے اُن کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لیے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لوگے (اور سُود چھوڑ دوگے) تو تم کو اپنی اصلی

---

[1] البقرۃ : ٢٧٥ — ٢٨٠

لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔

سُود کی حرمت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام فوائد کا خاتمہ فرما دیا جو پرانے قرضوں پر حاصل ہوتے تھے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

أَلَا إِنَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ عَنْكُمْ كُلُّهُ، لَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ، وَأَوَّلُ رِبًا أَبْدَأُ بِهِ رِبَا عَمِّيَ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ [1]

زمانۂ جاہلیت کا تمام سود ختم کر دیا گیا ہے، تمہیں اپنی اصل رقم ملے گی جس میں نہ اوروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا نقصان۔ میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے سُود کے خاتمہ کا اعلان کرتا ہوں۔

سودی لین دین اور کاروبار چونکہ اپنے اندر بے حد و حساب خرابیاں اور برائیاں رکھتا ہے لہٰذا اسلامی شریعت نے سُود کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ سابقہ تمام آسمانی ادیان و مذاہب میں بھی سُود حرام تھا۔

اسی طرح اسلام نے ان تمام معاملات کو بھی حرام قرار دیا ہے جو دھوکا، ملاوٹ، رشوت، اکل بالباطل یا ناپ تول میں کمی پر مشتمل ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ [2]

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوۃً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصّہ ناجائز طور پر نہ کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔"

---

[1] صحیح البخاری، مشکوٰۃ ص ۲۲۵ طبع کراچی

[2] البقرۃ: ۱۸۸

نیز فرمایا :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۙ ؗ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۙ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۙ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ [۱]

"ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اٹھائے بھی جائیں گے (یعنی) ایک بڑے (سخت) دن میں"

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے :

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ

جو دھوکا دے وہ مجھ سے نہیں ہے ۔

نیز فرمایا :

البیعان بالخیار ما لم یفترقا، فان صدقا وبینا بورك لهما فی بیعهما وان کتما وکذبا محقت برکة بیعهما [۲]

بائع و مشتری دونوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ الگ الگ نہیں ہو جاتے ، اگر دونوں سچ بولیں اور ہر چیز کو صاف صاف بیان کر دیں تو انکی بیعت میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے کچھ چھپائیں یا جھوٹ بولیں تو ان کی برکت کو ختم کر دیا جاتا ہے ۔

مزید فرمایا :

انه لا یربو لحم نبت من سحت الا کانت النار اولیٰ به

انسانی جسم کا جو گوشت مال حرام سے پرورش پاتا ہے ، اس کا سب سے بہتر ٹھکانا

---

[۱] المطففین : ۱ - ۵

[۲] بخاری ، مسلم - کتاب البیوع

جہنم کی آگ ہے۔

اور فرمایا:

لایکسب عبد مالاحراماً فیصدق به فیقبل منه، ولا ینفق منه فیبارك له فیه، ولا یترکه خلف ظهره الا کان زاده الی النار[1]

جو شخص مال حرام کما کر صدقہ کرتا ہے تو اس کا یہ صدقہ قبول نہیں کیا جاتا، اگر اسے خرچ کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوتی اور اگر اسے بعد از وفات اپنے پیچھے چھوڑ کر جاتا ہے تو وہ جہنم کا زادِ راہ بنتا ہے۔

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس دودھ کو گرا دیا تھا جس میں پانی کی ملاوٹ کی گئی تھی، اس سے ایک تو ملاوٹ کرنے والے کی تادیب مقصود تھی اور دوسروں کے لیے سرزنش بھی کہ جو بھی اشیاء میں ملاوٹ کرے گا، ان کی اشیاء کو ضائع کر دیا جائے گا۔

اسی طرح معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ اور ناجائز دولت سے باز رکھنے کے لیے اسلام نے ذخیرہ اندوزی کرنے پر بھی پابندی لگا دی ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد گرامی ہے:

من احتکر طعاما اربعین یوماً فقد برئ من الله وبرئ الله منه[2]

جو شخص چالیس دن تک کھانے کی کسی چیز کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے تو وہ اللہ سے بری اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

بہرحال دھوکا، فراڈ، ملاوٹ، رشوت، سود، ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی اور اکل بالباطل کی جس قدر بھی صورتیں کسی بھی زمانے اور کسی بھی علاقے میں مروج ہوں، ان سب کی ممانعت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی ارشاد گرامی کافی ہے اور وہ ہے کہ:

لاضرر ولاضرار

---

[1] رواہ صاحب مصابیح السنۃ فی الحسان

[2] رواہ احمد فی مسندہ

مستحب صدقات وخیرات

مالی اور معاشی ناہمواریوں کے ازالے کے لیے اسلام نے صاحبِ ثروت لوگوں کو فقراء ومساکین پر خرچ کرنے کی خصوصی ترغیب دی ہے، صدقہ وخیرات کو تقرب الٰہی کے حصول کا ایک خاص ذریعہ بتایا ہے جب کہ مال کو جمع کر کے رکھنے اور خرچ نہ کرنے کو کبیرہ گناہ قرار دیا اور اس پر سخت سزا کی وعید سنائی ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر دلائل کا حوالہ دینا اس وقت ممکن نہیں۔ خواہش مند احباب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۷، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۷، سورۃ توبہ کی آیت ۳۴۔۳۵، سورۃ المعارج کی آیت ۲۴۔۲۵، سورۃ روم کی آیت ۳۸ اور سورہ حدید کی آیت ۷، کا ضرور مطالعہ فرمائیں!

بہر آئینہ امید ہے کہ سابقہ گزارشات کے مطالعہ سے قارئین کرام کے سامنے یہ حقیقت یقیناً اظہر من الشمس ہو گئی ہو گی کہ اسلام نے عدل اجتماعی اور تکافل وتضامن اقتصادی کے حصول اور معاشرے سے معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ کے سلسلہ میں جس قدر سنہری اصول عطا فرمائے ہیں قدیم وجدید ادیان ومذاہب عالم میں سے کوئی ایک نہیں جو اس باب میں بھی اسلام کا سہیم وشریک بن سکتا ہو۔ معاشی ناہمواریوں کے خاتمہ کے لیے اسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے، یہ نظام بے حد عادلانہ اور حکیمانہ نظام ہے، اس نظام میں انفرادی ملکیت کا بھی احترام کیا گیا ہے، مال ودولت کے حصول اور کام کاج سے بھی منع نہیں کیا گیا بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ محنت کرنے والے انسان کو اس کی محنت کا اس دنیا میں بھی ثمرہ طیبہ ضرور ملے، اسلام اپنے سنہری اصولوں کی برکت سے معاشرے میں معاشی واقتصادی توازن واعتدال پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ معاشی تفاوت کو کم سے کم کر کے طبقاتی کشمکش کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسلام لوگوں کے اقتصادی تعلقات کو بھی تکافل، تضامن، تعاون، نیکی وتقویٰ اور عدل واحسان کی مضبوط اخلاق بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ آج بھی ہم اگر اسلام کے ان سنہری اصولوں کو اپنالیں اور اس کی پاک تعلیمات کو حرزِ جان بنالیں تو دکھوں سے بھری ہوئی یہ دنیا امن، چین اور سکون کا گہوارہ بن سکتی ہے اشتراکی نظام کا عبرت ناک انجام لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، سرمایہ دارانہ نظام کا انجام بھی چند دنوں بعد ضرور دیکھ لیں گے، جس نظام کو دوام اور بقاء نصیب ہے اور جس میں ساری انسانیت کی فلاح وبہبود کا راز بھی مضمر ہے وہ صرف اور صرف

دین اسلام ہے۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔